ڈاکٹر پرویز احمد کمبوہ*

اردو نثر پر رومانوی تحریک کے اثرات: تنقیدی جائزہ

THE IMPACT OF THE ROMANTIC MOVEMENT ON URDU PROSE: A CRITICAL REVIEW

Abstract: *Romanticism, spanning the 18th and 19th centuries, significantly influenced literature, art, philosophy, and society beyond its era. It challenged rationality, tradition, and order, reshaping social values and moral thinking. Before this movement, Urdu literature was confined and objective, but Romanticism expanded its horizons internationally. It introduced new themes and styles, encouraged poets' imagination, and enriched Urdu prose, marking a major transformation in Urdu literary history.*

Keywords: *Romanticism, literary movement, Urdu literature, imagination, prose, nineteenth centuries.*

تلخیص: رومانسزم جو کہ اٹھارہویں اور انیسویں صدیوں کا ادبی و فنی رجحان تھا، نے ادب، فلسفہ، اور معاشرتی اقدار میں گہرا اثر چھوڑا۔ اس نے عقل، روایت اور نظام کے خلاف بغاوت کی، جس سے معاشرتی اور اخلاقی سوچ میں تبدیلی آئی۔ اس تحریک سے پہلے اردو ادب محدود اور حقیقت پسندانہ تھا، مگر رومانسزم نے اردو ادب کو عالمی سطح پر لے جا کر نئے موضوعات اور اسالیب متعارف کروائے، شاعروں کی تخلیقی صلاحیتوں کو وسعت دی اور اردو نثر کو بھی نیا رنگ دیا۔ اس طرح، یہ تحریک اردو ادب کی تاریخ میں ایک نمایاں انقلاب ثابت ہوئی۔

کلیدی الفاظ: رومانویت، ادبی تحریک، اردو ادب، تخیل، نثر، انیسویں صدی۔

رومان یا رومانویت فن و ادب کی تاریخ کا ایسا پہلو ہے، جو اٹھارویں اور انیسویں صدی کے ادب کا احاطہ کرتا ہے، بلکہ اس کے اثرات اس دور کے بعد کے ادب، فکر، فلسفہ، تہذیب و تمدن پر بھی آسانی سے دیکھے جاسکتے ہیں۔ اس دور کے تقریباً تمام نقادوں نے اس کی وسعت اور اہمیت کو تسلیم کیا ہے کہ رومانویت نے ادب کو نئی سوچ اور نئے استعارے عطا کئے۔

رومانویت ایک صرف ادبی تحریک نہیں تھی بلکہ عقلیت، روایت، نظم و ضبط اور مروج اصلوں کے خلاف ایک ایسی بغاوت تھی جس نے نا صرف فن و ادب بلکہ معاشرتی اقدار، سیاسی شعور اور اخلاقی سوچ میں بھی تبدیلی کا مظہر ٹھہری۔

رومانویت کی اس قدر وسعت اور اثر پذیری ہی کی وجہ سے اردو ادب کے مشہور محقق ڈاکٹر محمد حسن اپنی کتاب "اردو ادب میں رومانوی تحریک" میں رومانویت کی تعریف کچھ یوں لکھتے ہیں:

* شعبہ صدر اردو، گورنمنٹ غلام ربانی آگرو ڈگری کالج، کنڈیارو، سندھ۔

”کلاسیکیت، رومانویت اور حقیقت پسندی، ان تین لفظوں نے یورپ کے فن کی کئی صدیوں کی سر گزشت پوشیدہ ہے۔“(۱)

رومانویت کی اس وسعت کو دیکھ کر "وان ٹیگھم" نے اس کو "یورپی ضمیر کا بحران" کا نام دیا،(۲) اور برلن اس کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”رومانویت اور اس کی تحریک ایسی تبدیلی ہے جس نے یورپ کی کمر توڑ کر رکھ دی۔“(۳)

ڈاکٹر محمد حسن رومانویت کی تعریف کچھ یوں کی ہے۔

”رومان کا لفظ رومانس سے نکلا ہے، اور رومانس زبانوں اس قسم کی کہانیوں پر اس اطلاق ہوتا ہے جو انتہائی آراستہ اور پر شکوہ پس منظر کے ساتھ عشق و محبت کی ایسی داستانیں سناتیں تھیں جو عام طور پر دور وسطیٰ کے جنگ جو اور خطر پسند نوجوانوں کی مہمات سے متعلق ہوتی تھیں اور اس لفظ سے تین خاص مفہوم وابسطہ ہو گئے۔

1۔ عشق و محبت کے متعلق تمام چیزوں کو رومانوی کہا گیا۔

2۔ عہد وسطیٰ سے وابستہ چیزوں سے لگاؤ، قدامت پسندی، ماضی پرستی کو رومانویت کا لقب دیا گیا۔

3۔ غیر معمولی آراستگی، شان وشکوہ، آرائش، فروانی اور محاکاتی تفصیل پسندی کو رومانوی کہنے لگے۔“(۴)

ادب میں رومان لفظ، موجودہ معنٰی سب سے پہلے ۱۷۸۱ میں ”وارٹن“ اور ”ہرڈ“(۵) نے استعمال کیا، ۱۸۰۲ میں گوئٹے اور شلر نے بھی اس لفظ کا اطلاق ادبیات پر کیا۔ پہلے یہ بطور زبان رائج ہوا، پھر آہستہ آہستہ ایسی طرزِ تحریر کے لئے مخصوس ہو گیا جن میں ماضی پرستی، عہد واسطیٰ سے وابستہ چیزوں سے لگاؤ اور قدامت پسندی کی طرف میلان پایا جاتا تھا، اور پھر ادب کے ایک خاص پہلو کی نمائندگی کرنے لگا۔

اردو زبان میں استعمال ہونے والا لفظ "رومان" انگریزی کے لفظ "رومانس" ہی کی تبدیل اور مختصر شکل ہے۔ اردو ادب میں لفظ رومان منفی مفہوم کے ساتھ شامل ہوا، ابتداء میں عشق و محبت کی کہانیوں اور غیر معیاری ادبی تخلیقات کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ مغرب میں یہ لفظ ایسی کہانیوں کے لئے استعمال ہوتا تھا، جس میں جنگ و جدل، ہمت و شجاعت کی کہانیاں اور ایسی داستانیں جن میں خوف و ڈر کا عنصر وغیرہ موجود ہوتے تھے۔ اردو زبان کی نسبت، رومان لفظ مغربی زبانوں میں زیادہ وسعت اور معنٰی و مطالب رکھتا ہے۔

سب سے حیران کن صورت حال یہ ہے کہ، فرہنگِ آصفیہ، لغات کشوری، رئیس اللغات، امیر اللغات، جدید نسیم اللغات، جامع اللغات اور نور اللغات کسی میں بھی لفظ رومان شامل ہی نہیں ہے۔

فیروز اللغات میں یہ لفظ شامل ہے اور اس کی معنٰی یہ درج ہیں:

"انگریزی، رومانس (Romance) کا مورد ہے، مذکر، ادب کی وہ صنف جس میں حقیقی زندگی سے غیر متعلق واقعات بیان کئے جائیں، فرضی داستان، حیرت انگیز واقعات، عشق و محبت کی داستان۔"(٦)

رومانیت لفظ جتنا خوش کن ہے، تشریح کے لحاظ سے اتنا سہل نہیں ہے۔ لغات اور فرہنگ، اصطلاحات کے انسائیکلوپیڈیا اور تنقید کی کتابیں اس سلسلے میں الگ الگ تشریحات و توضیحات پیش کرتی ہیں۔ اس لئے رومانیت لفظ کا سب سے بہتر مفہوم یہ ہی ہو سکتا ہے کہ رومانیت ہی اس لفظ کا بہترین مفہوم ہے

سید عبد اللہ رومانیت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"رومانیت کا ایک ڈھیلا سا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک ایسے اسلوب اظہار یا انداز احساس کا اظہار کرتی ہے جس میں فکر کے مقابلے میں تخیل کی گرفت مضبوط ہو۔ رسم و روایت کی تقلید سے آزادی خیالات کو سیلاب کی طرح جدھر ان کا رخ ہو آزادی سے بہنے دیا جائے۔"(٧)

رومانوی ادیب اپنے جذبے اور وجدان کو ہر دوسری چیز پر ترجیح دیتا ہے۔ اسلوب اور خیالات دونوں میں اس کی روش تقلید کے مقابلے میں آزادی اور روایت کی پیروی سے بغاوت اور جدت کا میلان رکھتی ہے۔ رومانی ادیب حال سے زیادہ ماضی یا مستقبل سے دلچسپی رکھتا ہے۔ حقائق واقعی سے زیادہ خوش آئند تخیلات اور خوابوں کی اور عجائبات و طلسمات سے بھری ہوئی فضاؤں کی مصوری کرتا ہے۔ دوپہر کی چمک اور ہر چیز کو صاف دکھانے والی روشنی کے مقابلے میں دھندلے افق چاندنی اور اندھیرے کی ملی جلی کیفیت اسے زیادہ خوش آئند معلوم ہوتی ہے۔

اردو ادب پر رومانویت کے اثرات:

اردو ادب کے اگر ابتدائی ادب کا عمیق مطالعہ کیا جائے تو رومانوی خیالات سے نا آشنا نظر آتا ہے، ہاں اگر انفرادی طور پر جائزہ لیا جائے تو کچھ کامیابی حاصل ہو سکتی ہے مگر ایک تحریک اور اسلوب کے طور شاید ملنا ناممکن ہو۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اردو ادب

میں سب سے پہلے اور ابتدائی آثار اردو ادب کے تشکیلی عہد کی "ہندوی روایات" کی طرف اشارہ کیا ہے۔(۸) اسی روایت کی مزید تشریح کرتے ہوئے ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

> ”اردو زبان و ادب پر چھٹی صدی ہجری سے لے کر دسویں صدی ہجری تک ہندوی روایت کی حکمرانی رہی ہے۔ اردو شاعری کی پہلی روایت خالص ہندوی اصناف واوزان پر قائم ہوتی ہے اور ہندو تصوف کے اسی رنگ کو قبول کرتی ہے جو سارے برِ عظیم میں "ناتھ پنتھی"، بھگتی کال اور نرگن واد کی شکل میں رائج تھا، مسعود سعد سلمان، امیر خسرو، بابا فرید، بو علی قلندر پانی پتی، شرف الدین یحییٰ ہندی، کبیر، شیخ عبد القدوس گنگوھی، شاہ باجن، قاضی محمود دریائی، علی جیو گام دھنی، گرونانک، میراں جی شمس العشاق، برھان الدین جانم، وغیرہ شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک اسی روایت کے پیرو ہیں۔ اس شاعری کی اصناف وہ ہی ہیں جو بر عظیم میں بھجن، گیت دوھوں کی شکل میں زمانہ قدیم سے چلی آتی ہے۔“(۹)

اردو ادب میں رومان اور رومانوی تحریک کے باقاعدہ آغاز کو سر سید احمد خان کی علی گڑھ تحریک کا ردِ عمل قرار دیا جاتا ہے۔ کیونکہ سرسید احمد خان کی تحریک ایک اصلاحی تحریک تھی۔ کیونکہ یہ دور تہذیب الاخلاق کا دور تھا اور تہذیب الاخلاق کی نثر عقلیت، منطقیت، استدلال اور معنویت کی حامل تھی۔ تہذیب الاخلاق کا ادب مذہبی، اخلاقی، تہذیبی اور تمدنی قدروں کو وقعت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔

اردو میں رومانیت کی ابتداء اگرچہ انیسویں صدی کے آخری حصے میں ہو چکی تھی تاہم اسے فروغ بیسویں صدی کی پہلی جنگ عظیم کے بعد حاصل ہوا۔ اردو میں اس کا آغاز سرسید کی تحریک کے ردعمل کے طور پر ہوا۔ اور اُس وقت کے حالات اور مغربی علوم کی آمد نے اس تحریک کو آگے بڑھنے میں مزید مدد دی۔ کچھ عرصہ تک یہ سکہ چلتا رہا لیکن بالآخر سرسید کے عقلی اور مقصدی ادب کے خلاف رومانوی ادیبوں نے شدید احتجاج کیا اور اس طرح شعر و ادب کی دنیا میں نئی راہوں کی نشان دہی کی۔

اس تحریک کے ردِ عمل میں جو نام سامنے آئے ان میں سرِ فہرست محمد حسین آزاد، میر ناصر علی دہلوی۔ اور عبد الحلیم شرر تھے۔ ان کے ہاں ایسا اسلوب تھا جس میں تخیل کی کار فرمائی شامل تھی۔ اس دور میں میر ناصر نے نا صرف سرسید کے اسلوب اور ادب میں مقصدیت پر تنقید کی بلکہ سرسید کی سنجیدہ نثر کا خول توڑا اور ساتھ ہی ساتھ اردو ادب میں شگفتہ اسلوب کو رائج کیا۔

میر ناصر علی نے اس شگفتہ اسلوب کی ترویج کے لئے سر سید کے مقابلے میں "فسانہ ایام" اور "صدائے عام" جیسے رسالے نکالے، عبدالحلیم شرر نے اپنے تاریخی ناولوں سے مسلمانوں کو اپنے شاندار ماضی سے آسودگی کی دولت سے نوازا، عبدالحلیم شرر کے یہ ناول اپنے اور موجودہ دور میں بھی رومانویت کی تعریف پر پورا اترتے ہیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ، عبدالحلیم شرر کی ناول نگاری کے متعلق لکھتے ہیں:

"شرر کے مزاج میں ہیجان پسندی کا عنصر موجود ہے جو ان کے بیشتر ناول انجلینا، منصور موہنا، فلورافلورنڈا اور یوسف و نجمہ وغیرہ میں نمایاں نظر آتا ہے۔"(۱۰)

اردو نثر اور رومانویت:

اردو ادب اور خصوصاً نثر میں رومان اور رومانوی تحریک کے آغاز کو سر سید احمد خان کی علی گڑھ تحریک کا ردعمل قرار دیا جاتا ہے۔ کیونکہ سر سید احمد خان کی تحریک ایک اصلاحی تحریک تھی۔ کیونکہ یہ دور "تہذیب الاخلاق" کا دور تھا اور تہذیب الاخلاق کی نثر عقلیت، منطقیت، استدلال اور معنویت کی حامل تھی۔ "تہذیب الاخلاق" کا ادب مذہبی، اخلاقی، تہذیبی اور تمدنی قدروں کو وقعت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔

اس ردِ عمل کے نتیجے میں سر عبدالقادر نے بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی یعنی ۱۹۰۱ میں لاہور سے ماہنامہ "مخزن" جاری کیا۔ جسے اردو کے علمی و ادبی رسائل میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ اس رسالے کی اشاعت سے نہ صرف یہ کہ رومانیت کی تحریک کو تقویت ملی بلکہ بعد میں آنے والی تحریکوں کی راہ بھی ہموار ہوئی۔ اس رسالے میں اپنے دور کے تمام رومانیت پسندوں نے لکھا اور اس رسالے نے بہت سے ادیبوں کو اردو دان طبقے سے روشناس کرایا۔

ابوالکلام آزاد:

مولانا ابو الکلام آزاد نے نثر کو نثریت سے آزاد کرایا اور ایک علیحدہ اسلوب کی بنیاد رکھی۔ ان معنوں میں آزاد جدید عہد کے پہلے صاحب طرز نثر نگار ہیں جس نے اپنے اسلوب کے زیر اثر حکمت و فلسفہ کے دبستانوں کو بے کیف کر دیا۔ ان کی نثر حکیمانہ ہونے سے زیادہ کچھ اور بھی ہے۔

انھوں نے ہمارے ایشیائی ذہنوں پر انفرادیت کے تازیانے مارے اور پستی، محرومی، ذلت اور کم ہمتی کا احساس دلایا ہے جو تبدیلی کی شدید خواہش اور حال سے بے پناہ نفرت کی شکل میں ظہور پذیر ہوا۔ ان کی نثر نے اردو ادب کو ایک نیا اعتماد بخشا۔ البتہ ان کی نثر کی ایک خامی ہے کہ اس پر ابوالکلام آزاد کے مطالعے کا بوجھ لدا ہوا ہے اور قاری اس سے متاثر ہونے کے بجائے فوراً مرعوب ہو جاتا ہے۔ اور نثر کا

تانا بانا خاصا الجھا ہوا ہے اور اس کی تقلید آسان نہیں۔ ابو الکلام آزاد نے نثر سے وہی کام لیا ہے جو اقبال نے شاعری کے ذریعے انجام دیا، انہوں نے مسلمانوں کو یہ پیغام دیا کہ اسلام اور قرآن ہی اس نئے دور میں ان کی زندگی کی واحد بنیاد قرار دیا جاسکتا ہے۔

فضل الدین احمد کے بقول:

"ابو الکلام "الہلال" کی اشاعت کے ساتھ ہندوستان کی سیاست، مذہب اور ادب کے مطلع پر ایک ایسی گھنگرج کے ساتھ طلوع ہوئے جس نے تمام ملک کو چونکا دیا۔"(۱۱)

ابو الکلام نے اپنے پیغام کی نشر و اشاعت کے لئے ایسے اسلوب کا انتخاب کیا جس میں انفرادیت اور دلکشی کا عنصر ہر جا بکھرا نظر آتا ہے۔ انہوں نے اس اسلوب کی اشاعت کے لئے الہلال کا سہارا لیا، الہلال کے بعد انہوں نے اپنے مضامین اور تصانیف کی نشر و اشاعت "البلاغ" سے شروع کی۔ ڈاکٹر محمد حسن، ابو الکلام آزاد کی نثری خوبیوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ابو الکلام آزاد کی نثر کی بنیادی خوبی اس کا آہنگ اس سطوت اور احساسِ عظمت ہے جو ان کی شدید انفرادیت اور احساسِ برتری کی پیداوار ہے۔ ابو الکلام آزاد ایک پیغمبرانہ سطوت سے بولتے ہیں۔"(۱۲)

ابو الکلام آزاد رومانوی تحریک میں اس لئے الگ مقام رکھتے ہیں کہ بہت سے مصنفین نے ان کا اسلوب اپنانے کی کوشش کی مگر یہ خاصہ صرف ابو الکلام کے حصے میں آیا۔

سجاد حیدر یلدرم:

سجاد حیدر یلدرم نے اپنے مضامین سب سے پہلے "مخزن" میں شائع کیے، سجاد حیدر یلدرم کے یہ ہی مضامین حقیقت میں، اردو ادب میں رومانوی تحریک کا باقاعدہ اسلوب ٹھہرے۔ یلدرم کے کچھ مضامین ترکی سے تراجم تھے اور اپنے قلم سے بھی تحریروں کے رنگ بکھیرے۔ ان کی اصل وجہِ شہرت وہ مضامین و انشائیہ اور نظموں کا مجموعہ ہیں جو "خیالستان" میں شامل ہیں۔

ڈاکٹر انور سدید کے بقول:

"رومانیت یلدرم کی شخصیت بھی ہے اور ان کا اسلوب فن بھی۔ ابتدائے شباب میں ہی رومانی قسم کی بغاوت ان کے ذہن میں پیدا ہو گئی تھی۔ وہ اپنے ماحول سے مطمئن نہ تھے اُسے اپنے ذہن و خیال کے مطابق منقلب کرنے کے آرزومند تھے۔"(۱۳)

ان کا موضوع عورت اور مرد کی وہ محبت تھی جو فطرت کے قوانین کے سوا کسی اور قسم کی رسوم و قیود کی پابند نہ تھی۔ اس بات کا اظہار انھوں نے اپنے افسانوں میں کھلے طور پر کیا ہے۔ سجاد حیدر یلدرم "خارستان وگلستان" میں لکھتے ہیں کہ:

> "عورت !، عورت! عورت! ایک بیل ہے جو خشک درخت کے گرد لپٹ کر اُسے تازگی، اسے زینت بخش دیتی ہے۔ عورت میں حسن نہ ہوتا تو مرد میں جرات اور اعلیٰ حوصلگی نہ ہوتی۔ مرد میں عالی حوصلگی نہ ہوتی تو عورت کی خوبصورتی اور دلبری رائیگاں جاتی۔"(۱۴)

یلدرم کی رومانیت کا ذکر کرتے ہوئے انور سدید لکھتے ہیں کہ:

> "یلدرم کی عطا یہ ہے کہ اس نے اردو ادب کو تعلیم یافتہ عورت سے متعارف کرایا اور زندگی میں اس کے کردار کو تسلیم کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں جب رسوا نے امراء کو اردو میں پیش کیا تھا تو وہ بالواسطہ طور پر ایک طوائف کو کوٹھے سے اتار کر خانہ نشین بنانے کے آرزومند تھے۔ جبکہ یلدرم نے اس خانہ نشین کو حریم ناز سے نکلنے اور اپنی لطافتوں سے زندگی کو عطر بیز کرنے کی راہ سمجھائی۔"(۱۵)

یلدرم کی رومانیت میں ایک ایسا معصوم تحیر موجود ہے جو بچے کے چہرے پر کھلونے حاصل کرنے کی آرزو سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کی رومانیت میں گہرائی یقیناً نہیں لیکن جذبے کی سادگی اور ملائمت موجود ہے۔

نیاز فتح پوری:

نیاز فتح پوری کے افسانے اس بناوٹی وجود اور غیر حقیقی زندگی کی سب سے بڑی مثالیں ہیں "شاعر کا انجام" "شباب کی سرگزشت" کے طرز تحریر اور اسلوب فکر میں "گیتانجلی" سے روحانی ہم آہنگی ہو جاتی ہے۔ وہی شکل وہی انداز بیان اور تمناپسندی، وہی بات سے بات پر وجد کرنے اور ہر چیز کو اس طرح دیکھنے کی کوشش جیسے اس کا ماورائی وجود ہے اور وہی حسن و عشق کے بارے میں فلسفیانہ طرز خیال۔ ان سب چیزوں نے اردو افسانے کو بڑی مدت تک متاثر کیے رکھا ہے۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے بقول:

> "نیاز فتح پوری ابتدا میں یلدرم کی طرزِ نگارش سے متاثر تھے اور اسی کے زیر اثر انہوں نے لکھنا شروع کیا، وہ ایک زور اثر شخصیت تھے۔ بعد میں وہ آزاد کے "الہلال" کی انشائے عالیہ سے بھی متاثر ہوئے اور اس زمانے میں اقبال کا شکوہ شائع ہوا تو وہ نظم نگاری پر بھی مائل ہوئے۔"(۱۶)

ان کی ابتدائی تحریروں میں رومانیت کا غلبہ ہے۔ ارضی چیز نہیں ملتی، ماروائی چیزیں ملتی ہیں۔ کردار نگاری میں بھی ماورائی یکسانیت ملتی ہے۔ ان میں عام انسانی کرداروں کی نوک پلک انداز و ادا اور ارتقاء نہیں ملتا۔ شروع سے لے کر آخر تک ایک بنیادی نغمہ ہے جو شخصیت پر حاوی ہے۔ ان کا اپنا کوئی لہجہ زبان اور اندازِ گفتگو نہیں۔ یہ سب نیاز کی سجی سجائی بے حد ادبی زبان ہے۔ انداز بیان کا انداز مکالموں کی عبارت سے ہوتا ہے۔ یہ نثر غالب، بیدل زدہ شاعری کے مماثل ہے۔ مناظر فطرت کا بے حد جذباتی بیان اور وفور شوق، تشبیہ اور استعارے کی بہتات کے ساتھ ملتا ہے۔

نیاز کے اسلوب نے اپنے عہد پر گہرا اثر ڈالا اور مقبول بھی ہوئے، ان کے ہاں عربی و فارسی کے غیر مانوس الفاظ کثرت اور طویل مکالمات کی بھرمار ہے، ہاں اگر کہیں کہیں مشکل پسندی سے دامن بچا لیتے ہیں تو ان کی تحریریں انشائے لطیف کے نہایت عمدہ اور دلکش نمونے نظر آتے ہیں۔

مجنوں گورکھ پوری:

مجنوں گورکھ پوری نے نیاز فتح پوری کے زیر اثر افسانہ نگاری شروع کی۔ ان کا سب سے پہلا افسانہ "زیدی کا حشر، ہے جو کہ شہاب کی سرگزشت سے متاثر ہو کر لکھا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مجنوں کے افسانوں میں رومانیت کی ایک سنبھلی ہوئی شکل ملتی ہے۔ اس میں جذبے کے وفور کے ساتھ ساتھ تشکیک کی جھلکیاں بھی دکھائی دیتی ہیں۔

ڈاکٹر انور سدید کے بقول:

"مجنوں گورکھ پوری کی رومانیت قنوطیت اور مایوسی کی پیداوار ہے۔ ان کے افسانوں کا بنیادی موضوع محبت ہے، لیکن ان کے ہاں محبت ایک مختصر سا لمحہ ہے اور اس کے بعد ایک مسلسل دائمی غم۔ مجنوں کے اس اسلوب کا نمائندہ افسانہ "سمن پوش" ہے۔ اس افسانے میں منظر اور پیش منظر دونوں پر رومانوی تحیّر کی دھند چھائی ہوئی ہے۔"(۱۷)

دوسرے رومانوی ادیبوں کی طرح مجنوں گورکھ پوری کے کردار بھی غیر دلچسپ کاروباری دنیا میں گھری ہوئی اجنبیت اور تصور پرست روحیں ہیں جو یہاں خواب دیکھنے آتی ہیں اور جن کی تعبیر میں درد والم کے سوا کچھ بھی نہیں۔ ان کے ہاں جذبہ ہے جو ناکامیوں سے تھک کر خود اپنے آپ کو تباہ کر لیتا ہے۔ ان کا ہیرو وقت سے پہلے جوان ہو گیا ہے۔ اور جب وہ اپنے معصوم تصورات کو شکست ہوتے دیکھتا ہے تو خود بھی اپنے آپ کو تکلیف دینے اور عذاب میں مبتلا کرنے کا عادی ہو جاتا ہے۔ یگانہ، ثریا، ناصری، سب اپنی شکست کی آوازیں ہیں۔ مجنوں کی کہانیوں میں محبت، ناکامی کا دوسرا نام ہے جس کی سزا اور پاداش سوائے گھل گھل کر مرنے کے اور کچھ نہیں۔

ڈاکٹر محمد حسن لکھتے ہیں:

"مجنوں کا اندازِ بیان نیاز اور خلیقی دونوں سے زیادہ سلجھا ہوا ہے۔ اس میں دشوار شاعرانہ نثر کی فراوانی نہیں۔ وہ قصے بیان کے انداز میں لکھتے ہیں۔ لیکن بات بات میں شعر پڑھنا اور موقع بے موقع اشعار نقل کرنا ان کے رومانوی طرز

تحریر کی خصوصیت ہے۔ اکثر ان کے کردار اشعار میں گفتگو کرتے ہیں۔ ان کے افسانے جذباتی سپردگی کے آئینہ دار ہیں، جنھوں نے اردو افسانہ نگاری پر بڑا اثر ڈالا ہے۔"(۱۸)

اس کے علاوہ ناول کے حوالے سے قاضی عبدالغفار نے رومانوی طرز کو نئے حسن سے آشنا کیا۔ "لیلیٰ کے خطوط" فنی حیثیت سے ناول نہیں کہلا سکتے ہیں۔ لیکن ان میں جذبات کی فروانی اور خطابت کا جوش ہے اور اس لحاظ سے وہ مکمل رومانوی تخلیق ہیں۔

سجاد انصاری، مرزا ادیب، چوہدری افضل حق، حجاب علی امتیاز، خلیقی دہلوی، قاضی عبدالغفار، حکیم احمد شجاع، عابد علی عابد، عظیم بیگ چغتائی اور ایسے بہت سے نام ہیں جو فہرست میں نہیں ہیں، ان کے ہاں بھی رومان اور رومانویت پوری آب و تاب کے ساتھ نہ سہی، پر بادلوں سے نکلتی اور چھپتی دھوپ کی طرح کہیں کہیں رومانویت کی آنکھ مچولی جیسا منظر ضرور ہے۔

رومانوی تحریک کو یہ اعزاز حاصل ہے اس نے اردو ادب میں نیا اسلوب متعارف کرایا، اور اردو ادب کی جھولی میں عظیم شخصیات کے نام شامل ہوئے۔ رومانی تحریک نے اردو ادب کو قرون وسطیٰ اور طفلی حیثیت سے نکال کر دورِ جدید کے اسلوب سے روشناس کرایا اور سنِ بلوغت کی اس منزل تک پہنچایا کہ اردو ادب میں موضوعات، اسالیب، زبان اور طرزِ بیان کو جدت ملی، جس کی وجہ سے سر سید کی نثری عقلیت، منطقیت، استدلال اور معنویت کی حامل تھی اس سے نجات ملی، اور نئے نئے موضوعات، طرز بیان اور انشائیہ انداز کا ایسا سلسلہ شروع ہوا جو آج تک جاری ہے۔

اردو ادب رومانوی تحریک سے پہلے کوہلو کے بیل کی طرح آنکھوں پر پٹی باندھے، پوری دینا سے بے خبر ہوئے، ادب میں مقصدیت کے حصار میں جامد تھی، رومانوی تحریک نے اس حصار کو توڑا اور اردو ادب کو برصغیر کے محدود تناظر سے نکال کر بین الاقوامی حیثیت دی، پھر اردو ادب ہر طرح کو موضوعات اور طرزِ تحریر کے لئے موزوں سمجھا جانے لگا۔

ڈاکٹر انور سدید اپنی کتاب "اردو ادب کی تحریکیں" میں رومانوی تحریک کے منفی اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "رومانوی تحریک نے خیال اور اسلوب میں جو ہمہ گیر تغیر پیدا کیا تھا اس کا منفی پہلو یہ تھا کہ ادیب کھلی آنکھوں سے خواب دیکھنے کے عادی ہو گئے اور یوں زندگی اصل حقیقت سے ان کا رشتہ نہ صرف کٹ گیا بلکہ وہ خلاؤں میں بھی جھانکنے لگے۔ اس لحاظ سے رومانوی تحریک نے جذبے کی انتہا پسندی کو فروغ دیا۔"(۱۹)

رومانوی تحریک اور ترقی پسند تحریک دراصل ایک ہی کشتی کے مسافر ہیں، رومانوی فن و فکر کے ہاں اسلوب بیان، ابلاغ اور نئے نئے تجربات کے داعی ہیں، وہ ہیت اور ساخت کے متعلق بالکل خاموش ہیں، ان کے یہ تجربات صرف اسلوب تک محدود ہیں، جب کہ اس کے برعکس ترقی پسند تحریک، اسلوب بیان، ابلاغ میں ہی صرف نئے تجربوں تک محدود نہیں رہنا چاہتے، ترقی پسند، ہیت اور ساخت میں بھی نئی روح کے متمنی تھے۔

ڈاکٹر محمد خان اشرف کے بقول:

”ترقی پسند تحریک بھی اپنے فنی اور ادبی پہلوؤں میں رومانویت ہی کا ایک تسلسل تھی اور اس کے اہم ترین داعی بنیادی طور پر رومانویت پسند تھے۔ لیکن اس کو اس کے بانی سجاد ظہیر اور دوسرے منشور پرستوں نے مارکسیت کا آلہ کار بنانے کی جو کوشش کی اس نے اس کو فکری لحاظ سے رومانویت سے دور کر دیا۔“(۲۰)

غلام شبیر رانا بھی رومانوی تحریک کی اسی روایت کے پسِ منظر میں اردو ادب کے حوالے سے اس کے منفی اثرات کا جائزہ یوں بیان کرتے ہیں:

”رومانوی تحریک نے زندگی کے تلخ حقائق کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کرنے کے بجائے محض عشق و محبت، حسن و رومان اور تخیل کا سہارا لیا۔ اسے منفی انداز فکر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ دیر تک نہ چل سکا یہاں تک کہ 1936 میں ترقی پسند تحریک نے واضح کر دیا کہ زمانے میں محبت کے سوا اور بھی دکھ موجود ہیں جن پر توجہ دینا حساس تخلیق کار کی ذمہ داری ہے۔ مجبور، بے بس اور مظلوم انسانیت کی پر درد کراہیں سن کر کب تک وادیِ خیال میں مستانہ وار گھوما جا سکتا ہے۔ ترقی پسند تحریک نے پوری شدت کے ساتھ رومانوی تحریک سے اختلاف کیا اور اس کے تصورات کو عصری تقاضوں کے خلاف سمجھ کر پس پشت ڈال دیا۔ اس طرح یہ تحریک ماضی کا حصہ بن کر تاریخ کے طوماروں میں دب گئی۔“(۲۱)

مختصر یہ کہ رومانوی تحریک نے اردو زبان ادب کو موضوع اور اسلوب میں نئے زاویے اور طرزِ فکر کو پیدا کیا، مصنفین خصوصاً شاعروں کو تخیل کی لامحدود وسعتیں عطا کیں، اور اردو نثر کو انشائی ادب سے روشناس کرایا۔

حوالہ جات:

۱۔ محمد حسن، ڈاکٹر، *اردو ادب میں رومانوی تحریک*، شعبۂ اردو، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۱۹۵۵ء، ص ۹۔

۲۔ ایضاً۔ ۳۔ ایضاً۔ ۴۔ ایضاً، ص ۱۱۔

۵۔ Dante, *Wonderful Compound of Classical and Romantic Fancy*, Del Allemagne, P. No. ۱۸۱۔

۶۔ فیروزالدین الحاج مولوی، *فیروز اللغات اردو جامع*، فیروز سنز، لاہور، ص ۲۹۷۔

۷۔ عبداللہ، ڈاکٹر سید، *اردو ادب*، ۱۹۶۷ء، ص ۷۲۔

۸۔ جالبی جمیل، ڈاکٹر، *تاریخ ادب اردو*، جلد اوّل، طبع دوم، ۱۹۸۴ء، ص ۱۰۵۔

۹۔ ایضاً۔

۱۰۔ عبداللہ، ڈاکٹر سید، اردو ادب، ۱۹۶۷ء، ص ۷۲۔

۱۱۔ فضل الدین احمد، تذکرہ ابوالکلام آزاد، داتا پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۱ء، ص ۱۰۔

۱۲۔ محمد حسن، ڈاکٹر، اردو ادب میں رومانوی تحریک، اشاعت اوّل، ۱۹۵۵ء، ص ۳۲۔

۱۳۔ سدید، ڈاکٹر انور، اردو ادب کی تحریکیں، اشاعت ہفتم، انجمن ترقی اردو، ۲۰۱۰ء، ص ۴۳۱۔

۱۴۔ یلدرم، سجاد حیدر، خارستان و گلستان، ایضاً۔

۱۵۔ سدید، ڈاکٹر انور، اردو ادب کی تحریکیں، اشاعت ہفتم، انجمن ترقی اردو، ۲۰۱۰ء، ص ۴۳۲۔

۱۶۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، نیاز فتح پوری: شخصیت اور فکر و فن، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۸۶ء، ص ۱۱۵۔

۱۷۔ ڈاکٹر انور سدید، اردو ادب کی تحریکیں، اشاعت ہفتم، انجمن ترقی اردو، ۲۰۱۰ء، ص ۴۳۹۔

۱۸۔ ڈاکٹر محمد حسن، اردو ادب میں رومانوی تحریک، اشاعت اوّل، ۱۹۵۵ء، ص ۹۷۔

۱۹۔ ڈاکٹر انور سدید، اردو ادب کی تحریکیں، اشاعت ہفتم، انجمن ترقی اردو، ۲۰۱۰ء، ص ۴۶۲۔

۲۰۔ ڈاکٹر محمد خان اشرف، رومانویت کیا ہے، الوقار پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۲۳۴۔

۲۱۔ غلام شبیر رانا، اردو ادب کی رومانی تحریک، ص ۴۳۔

کتابیات:

۱۔ احمد، فضل الدین۔ تذکرہ ابوالکلام آزاد۔ داتا پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۱ء۔

۲۔ الڈو میلن، ڈیل۔ *Dante, Wonderful Compound of Classical and Romantic Fancy*۔

۳۔ جالبی، ڈاکٹر جمیل۔ تاریخ ادبِ اردو، جلد اوّل، طبع دوم، ۱۹۸۴ء۔

۴۔ حسن، ڈاکٹر محمد۔ اردو ادب میں رومانوی تحریک۔ شعبہ اردو، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۱۹۵۵ء۔

۵۔ خان، ڈاکٹر محمد اشرف۔ رومانویت کیا ہے۔ الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۸ء۔

۶۔ رانا، غلام شبیر۔ اردو ادب کی رومانی تحریک۔ (ناشر و سنِ اشاعت ندارد)۔

۷۔ سدید، ڈاکٹر انور۔ اردو ادب کی تحریکیں، اشاعتِ ہفتم، انجمن ترقیِ اردو، کراچی، ۲۰۱۰ء۔

۸۔ فتح پوری، ڈاکٹر فرمان۔ نیاز فتح پوری: شخصیت اور فکر و فن۔ اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۸۶ء۔

۹۔ فیروزالدین، الحاج مولوی۔ فیروز اللغات (اردو جامع)۔ فیروز سنز، لاہور، (سنِ اشاعت ندارد)۔

۱۰۔ عبداللہ، ڈاکٹر سید۔ اردو ادب۔ (ناشر ندارد)، ۱۹۶۷ء۔

۱۱۔ یلدرم، سجاد حیدر۔ خارستان و گلستان۔ (تفصیل اشاعت ندارد)۔

Bibliography:

1. Ahmad, Fazaluddin. Tazkira Abul Kalam Azad. Data Publishers, Lahore, 1981.

2. Del Allemagne. Dante, Wonderful Compound of Classical and Romantic Fancy. p. 181.
3. Jalibi, Dr. Jameel. Tareekh-e-Adab-e-Urdu, Vol. I, 2nd Edition, 1984.
4. Hassan, Dr. Muhammad. Urdu Adab Mein Romaanvi Tehreek. Department of Urdu, Muslim University, Aligarh, 1955.
5. Khan, Dr. Muhammad Ashraf. Romaanviat Kya Hai. Al-Waqar Publications, Lahore, 1988.
6. Rana, Ghulam Shabbir. Urdu Adab Ki Romani Tehreek. Publisher and Year Not Mentioned.
7. Sadeed, Dr. Anwar. Urdu Adab Ki Tehreeken, 7th Edition, Anjuman Taraqqi-e-Urdu, Karachi, 2010.
8. Fatehpuri, Dr. Farman. Niaz Fatehpuri: Shakhsiyat aur Fikr-o-Fun. Urdu Academy Sindh, Karachi, 1986.
9. Ferozuddin, Al-Haj Maulvi. Feroz-ul-Lughat (Urdu Jamia). Ferozsons, Lahore, n.d.
10. Abdullah, Dr. Syed. Urdu Adab. Publisher Not Mentioned, 1967.
11. Yildirim, Sajjad Haidar. Kharistan-o-Gulistan. Publication Details Not Available.

☆☆☆☆☆